گرمی

اُمِّ کاشان

بھائی اظہر کلیم ! آداب وتسلیمات

آپ نے میری تحریروں کی جو پزیرائی کی ہے اُس سے کافی حوصلہ بلند ہُوا ہے اور آپ کے مشورے کے مطابق ہی کم لکھنے پر عمل پیرا ہُوں۔ ۲۶ جولائی کو جو حادثہ ہُوا ہے وہ میرا، آپ کا، پاکستان، ہندوستان بلکہ ایشیا بھر کا ناقابلِ تلافی نُقصان ہے۔ مُجھ پر تو سکتے کا عالم ایسا تھا کہ آپ کو بروقت تعزیتی خط بھی نہ لکھ سکی اور جب گھر گئی تو سامنے ہوتے ہُوئے بھی دُور رہ گئی۔ بہرحال اب اِس کی تلافی "گھر کی مُرغی" عصرِ حاضر کا عوامی نشر نگار، ابنِ صفی" کے ذریعے کرنے کی کوشش کر رہی ہُوں۔ ابنِ صفی کی شخصیت پر یہ رپوتاژ گو مکمل تو نہیں ہے۔ میں خُود بھی مُطمئن نہیں ہُوں، مگر جو کچھ ذہن میں آیا الفاظ کی صُورت میں کاغذ پر بکھیر دیا ہے۔ اگر پسند آجائے تو کسی قریبی اشاعت یا پھر "نیا رُخ" کے پہلے شمارے کے لیے مُنتخب کرلیں۔ ایک تصویر جو میں نے اپنے کیمرے سے خُود ہی کھینچی تھی بطور تبرک ارسالِ خدمت ہے۔ بطور تبرک اِس لیے کہ مرحُوم پبسٹی سے گریز کرتے تھے۔ تصویر میں آپ اُنہیں تصویر کھینچنے سے منع کرتے ہُوئے صاف محسُوس کر سکتے ہیں۔ اُمید ہے کہ مع الخیر ہوں گے۔ کارِ لائقہ سے یاد فرمائیں۔

احقر، اُمِّ کاشان۔ آصف کالونی کراچی۔ ۱۶

۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء کا سُورج جب طلُوع ہُوا تو ہم ایک ہفت پہلُو اور گوناگوں خصُوصیات کے حامل فنکار، بے بدل ادیب، بے مثل مزاح نگار اور ایجاداتی سوچ کے دماغ کے مالک شخص سے محرُوم ہو چُکے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت کے مصداق ہر ذی جان کو موت سے ہم کنار ہونا ہے مگر ایسی موت جو بے وقت ہو۔ خصُوصاً جب کہ اُس کا وار ایسے شخص پر پڑے جو اپنی خُوبیوں اور کردار و یاقت میں بے نظیر ہو۔ پھر ایسے وقت میں جب نوجوانوں اور نئی پود میں آگے بڑھنے اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ مفقُود ہو تو ایسی موت ناقابلِ تلافی نُقصان ہے۔ سانحہ عظیم ہے، غضب ہے اور قیامت ہے۔

بہت کم پڑھے لکھے افراد ایسے ہوں گے جو ابنِ صفی کے نام سے ناواقف ہوں۔ اِس سرائے فانی میں بہت سے ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کو یکایک اور بغیر کچھ کیے بھی شہرت حاصل ہُوئی ہے۔ بہت سی ایسی شخصیات بھی ملیں گی جنہیں اِتفاقاتِ زمانہ نے بڑا آدمی بنا دیا۔ بہت سے نام و نمُود کے لیے زمین و آسمان کے قلابے مِلاتے نظر آئیں گے اور کتنے ہی ایسے ہوں گے جو اپنی جیبِ خاص سے رقم خرچ کر کے شہرت حاصل کرنے کی سعی لاحاصل میں مصرُوف نظر آتے ہیں لیکن کم ہیں جو محض اپنی یاقت، محنت اور خلُوص کے ساتھ مُسلسل جدّوجُہد کر کے عزّت اور بڑائی حاصل کرتے ہیں اور یہ بڑائی پائدار ہوتی ہے۔ ابنِ صفی کا شُمار ایسے ہی موخر الذکر لوگوں میں ہوتا ہے۔

ابنِ صفی کے اِنتقال سے اُردو ادب میں اور خصُوصاً اُردو جاسُوسی ادب میں ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جس کا پُر ہونا آسان نہیں ہے۔ اُن کے ہم عصروں میں بھی کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو جاسُوسی ادب میں اِس خالی جگہ کو پُر کر سکے۔

اُردو کے جاسُوسی ادب کو مُمکن ہے کہ ابنِ صفی کا جانشین مِل جائے مگر اُن جیسا ادیب سارے برِصغیر بلکہ ایشیا میں اب دُوسرا

نظر نہیں آتا۔ وہ ایک ہفت پہلو شخصیت کے مالک تھے۔ اُردو ہی نہیں دُوسری زبانوں پر بھی آپ کی وسیع نظر تھی خصوصاً اُنہیں نئے الفاظ وضع کرنے اور اُنہیں خوب صورت انداز میں احاطہ تحریر میں لانے کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ اعلا درجے کے نثر نگار ہی نہیں ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اُن کے قلم میں بڑا زور تھا۔ ذہانت اُن کے چہرے سے پھوٹی پڑتی تھی۔

ابنِ صفی نے عمر بھر طالبِ علم کی حیثیت سے زندگی بسر کی یا پھر اُردو ادب کا خادم بن کر۔ مرحوم بڑے زندہ دل، ظریف الطبع اور سادا طبیعت کے آدمی تھے اور اُن کی یہ سادگی اُن کے مشہور کردار فریدی کی صورت میں نمایاں تھی جب کہ ظرافت کا اظہار اُنہوں نے حمید، عمران اور قاسم جیسے کرداروں کے ذریعے کیا۔

ابنِ صفی جن کا گھریلو اور اصل نام اسرار احمد تھا ہر ماہ دو جاسوسی ناول عمران سیریز اور جاسوسی دُنیا لکھا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اُن کی نثر بہت صاف ستھری اور اعلا معیار کی حامل تھی۔ اُن کی تحریروں میں عجیب اور عمدہ قسم کی پاکیزگی اور نفاست کا احساس ہوتا تھا۔ اُنہوں نے جس دور میں لکھنا شروع کیا۔ اُس وقت اظہار اثر، سعید امرت، دت بھارتی اور ایسے ہی دُوسری جنس کے غالب اثرات کے تحت لکھنے والوں کا دَور دورہ تھا یا پھر ایک اور گروہ جسے عُرفِ عام میں ترقی پسند ادیب کہا گیا، موجود تھا۔ ایسے وقت میں ابنِ صفی نے اپنے لیے جو راہ متعین کی وہ متذکرہ دونوں قسم کے راستوں سے جُدا تھی۔ ابنِ صفی شعوری طور پر اپنے قاری کو اُس سے الگ رکھنا چاہتے تھے اور وہ اپنی اس خواہش کو پُورا کرنے میں کامیاب بھی رہے۔ اُنہوں نے جنس کے موضوع میں بھی دلچسپی کا متبادل جُرم و سزا کی صورت میں تلاش کر لیا۔ اُنہوں نے زندگی کے آخری ایام تک یا یُوں کہہ لیجئے کہ اپنی آخری تحریر تک اس موضوع میں پوشیدہ مضمرات کو دھیان میں رکھا۔ وہ جرائم کے متعلق لکھتے تھے مگر ہمیشہ قانون کے حق میں۔ اُن کا مُجرم کتنا ہی ذہین اور خطرناک کیوں نہ ہو مگر وہ قانون کے ہاتھوں اسیر ضرور ہوتا اور کیفرِ کردار کو پہنچتا ہے۔ آپ اصلاحی پہلو اور تربیت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ اِس طرح انہیں مُعلمِ اخلاق اور مُعلمِ قانون بھی کہا جا سکتا ہے۔ اپنے ناول نمبر ۱۲۶ کا اختتام اس پُراثر گفتگو پر کرتے ہیں کہ آدمی قانون کی بالادستی ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

"بے حد ذہین آدمی ہے محترمہ... محض اپنے بیٹے کی وجہ سے کسی قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہُوا تھا۔ اِسی لیے پے در پے غلطیاں کرتا چلا گیا۔"

"بیٹے کی کیا بات تھی؟"

"اُس کا ایک ہی بیٹا ہے اور بڑی حد تک اُس کا ہم شکل بھی ہے۔ مجھے اُس کی طرف متوجہ دیکھ کر ذہنی انتشار میں مبتلا ہُوا ہوگا اور متواتر کئی غلطیاں کر ڈالیں۔ ورنہ یقین کیجئے کہ اُس پر ہاتھ ڈالنا بے حد مشکل ہوتا۔"

"آپ ہر کیس کے بعد یہی کہتے ہیں۔" قاسم نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اور بالکل دُرست کہتا ہُوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہر مجرم اپنا پلان اِسی توقع پر بناتا ہے کہ وہ کسی طرح قانون کی گرفت میں نہیں آسکے گا لیکن ہم اپنی تدبیروں سے اُس کو غلطیاں کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور بالآخر وہ اِسی بنا پر پکڑا جاتا ہے۔"

"ٹھینگے سے...!" قاسم زیرِ لب بڑبڑایا۔

"کیا...؟"

"قتِ قچھ نہیں۔" قاسم چونک کر بولا۔ پھر خواہ مخواہ دانت نکال دیے۔

یہ تو محض ایک ناول کا اختتامیہ ہے۔ آپ جاسوسی دُنیا یا عمران سیریز کے اوّلین شمارے سے آخری ناول تک کوئی بھی ناول اُٹھا کر دیکھ لیں۔ مجرم کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو وہ قانون کی گرفت سے کبھی بچ سکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

جاسوسی ادب میں ان سے پہلے کوئی اور صاحبِ طرز ادیب نہیں ہُوا۔ انھوں نے اُردو میں ۳۵ سال تک لکھا۔ وہ آئندہ اُردو ادب کا ایک درخشاں باب بن کر تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ ابنِ صفی کی بزلہ سنجی کہیں حمید کے مکالموں میں ظاہر ہوتی ہے تو کہیں قاسم کی بیوقوفانہ حرکات سے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"عمران نے باہر نکل کر تنہا بازار کی راہ لی تھی۔ ایک ڈرگ اسٹور میں کال کا لو ورٹ کوین دے کر ولاڈیا چیز کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو..." دُوسری طرف سے آواز آئی...

"ڈیوک آف ڈھمپ؟"

"اوہ انتظار فرمایئے۔ میں اطلاع بھجواتا ہُوں... شکریہ۔"

"یہ ڈھمپ کہاں ہوتا ہے جناب" دوری

طرف سے آواز آئی۔

یہ اور اسی قسم کے بیشمار نئے لفظ آپ کو ابنِ صفی کے ناولوں میں ملیں گے۔ یا پھر شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کی نظموں میں۔ جیسا کہ مَیں پہلے کہہ چکی ہُوں کہ ابنِ صفی، ابنِ صفی بننے سے پہلے اسرار احمد تھے۔ بچپن سے ہی ادیبانہ اور شاعرانہ فضاؤں میں سانس لینے اور پروان چڑھنے کے ناتے خود بھی شعر کہنے لگے۔

سعدی نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ اُنھوں نے ایک جگہ سے مٹی کا ایک ڈلا ضرورتاً اُٹھایا۔ اُس مٹی کے ڈلے میں سے گلاب کی سی خوشبو محسوس ہُوئی۔ سعدی نے پوچھا۔ اے مٹی کے ڈلے! تو بظاہر ایک معمولی سا مٹی کا ڈلا ہے مگر تجھ میں یہ گلاب کی سی خوشبو کہاں سے آئی۔ مٹی کا ڈلا اُن کے سوال کے جواب میں عرض کرتا ہے، حضرت! جس جگہ سے آپ نے مجھے اُٹھایا ہے وہاں گلاب کے پودے تھے۔ اس طرح مجھے برسوں گلاب کے ان پھولوں کی ہم نشینی کا اعزاز حاصل ہُوا، جو ڈال سے ٹوٹ کر مجھ پر گر جاتے تھے۔ میرے اندر یہ خوشبو اُنہی پھولوں کی ہم نشینی اور قربت کی وجہ سے پیدا ہُوئی ہے۔

سوچیے! جب مٹی ہم نشینی کا اتنا اثر قبول کر سکتی ہے تو پھر اسرار احمد تو انسان تھے۔ اور اُن کا تعلق خاندانی طور پر حضرت نوح ناروی سے تھا اور حضرت نوح ناروی کو اُستاد داغ دہلوی کے شاگرد ہونے کا ہی نہیں اُن کے خلیفہ ہونے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔ ابنِ صفی کی بزلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی ذات تک کو بھی نشانہ بنا ڈالتے تھے۔ اپنی علالت کا ذکر اور اس دلچسپ انداز میں عمران اور حمید جیسے زندہ و جاوید کرداروں کا خالق ابنِ صفی ہی کر سکتا ہے۔ گفتگو کے عنوان سے ابنِ صفی میگزین کے اداریے کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"میری علالت کا سلسلہ بدستور جاری ہے زیادہ تر پڑا اونگھتا رہتا ہوں۔ جب اللہ کو کچھ لکھوانا ہوتا ہے تو ہوش میں لاتا ہے اور مَیں اُس کے کرم سے لکھنا شروع کر دیتا ہُوں۔ مجھے خود بھی اس پر حیرت ہوتی ہے تقریباً تیس پینتیس سال سے تمباکو نے نوشی یا کشیدنی کا اسیر تھا۔ بحمداللہ کہ اس سے بھی رہائی نصیب ہُوئی۔ اس علالت کے دوران — اور شکر ہے ربُ العزت کا کہ اس تبدیلی کی بنا پر بھی میری کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔"

مہنگائی اس دورِ تازہ کا جدید عفریت ہے اور ہر کس و ناکس اس کا شکار۔ ابنِ صفی اس مہنگائی کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں جب کرتے ہیں تو دلکش و دلنشیں پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ لگے ہاتھوں اس کا بھی لطف اُٹھاتے چلیے:

"ایک صاحب نے بھنّا کر پوچھا ہے کہ آخر مَیں گرانی کے سلسلے میں بکرے کا گوشت کیوں لے بیٹھتا ہُوں۔ سبھی کچھ تو گراں ہوتا جا رہا ہے۔ قیمتوں میں ٹھہراؤ ہی نہیں۔ بھیا کیا بتاؤں مجھے گوشت کے علاوہ اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ سوٹ نہ ملے تو لنگوٹی ہی سے کام چل جائے گا۔ لیکن گوشت کا کوئی بدل ہو تو ضرور اطلاع دیجئے گا۔۔۔ سگریٹ گراں ہُوئے تو ایک ماہر اقتصادیات کے مشورے پر سگریٹ نوشی ترک کر دی۔ چائے کی پیالی میں دُودھ کے تین قطرے (ڈبا پرسے) ٹپکا لیتا ہوں۔ ایک نمیص ہفتوں چلاتا ہُوں کہ اس میں کچھ قومی بچت ہو جائے۔ (کپڑے دھونے والے میری قوم سے تعلق نہیں رکھتے)۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو ترک کر دینے کا اثر بھی قیمتوں پر نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر ان ماہرِ اقتصادیات نے فرمایا تھا کہ چیزیں اس لیے گراں ہوتی ہیں کہ ہم زیادہ قیمت دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یا اشیا کے محتاط استعمال سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ مَیں نے تو سگریٹ چھوڑ ہی دیا تھا۔ کئی سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت اُس کی ڈبیا تین روپے ساٹھ پیسے کی آتی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے شاید پانچ یا ساڑھے پانچ کی ہے۔ لہٰذا مَیں ہی پھسڈی رہا۔ قیمت تو چھلانگ لگا کر کہیں کی کہیں پہنچی

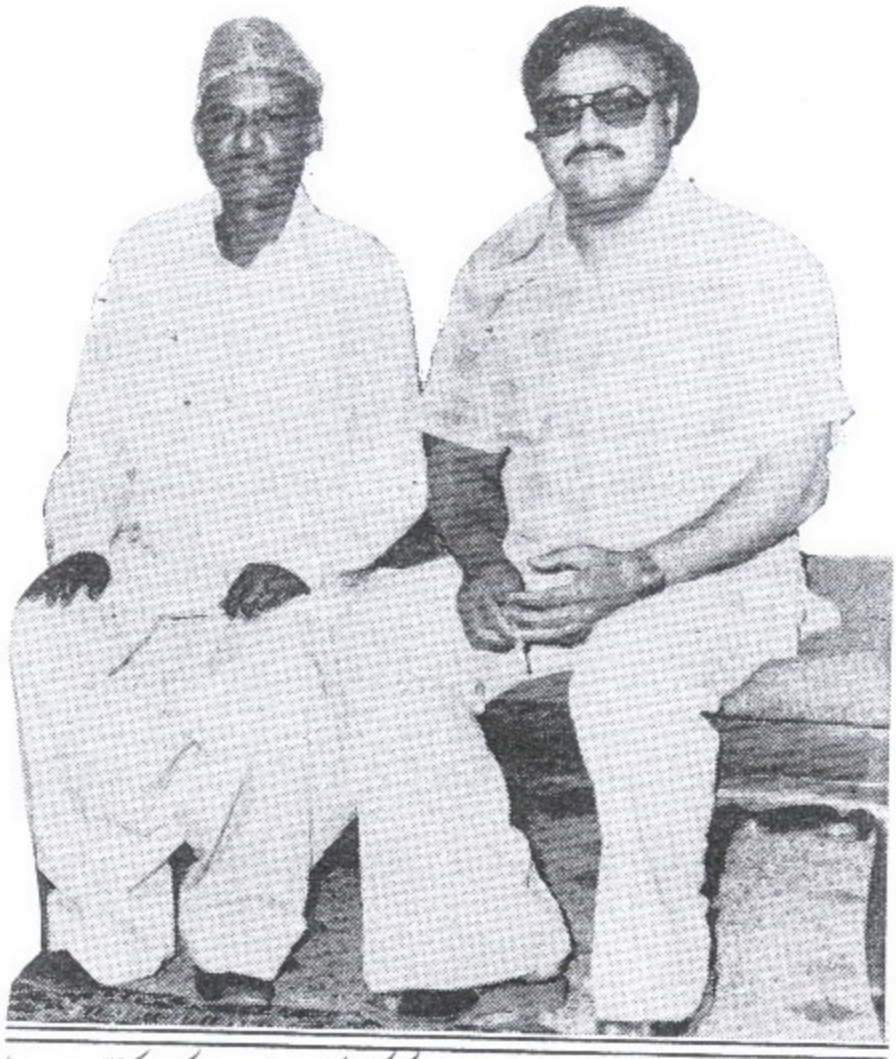

اور وہ ماہرِ اقتصادیات شاید گوشت کھاتے ہی نہیں۔ بالکل سِنک سلائی ہیں۔ یہاں بٹیر سے لے کر بھینس تک کو مجھ سے مفر... نہیں۔ لہٰذا اپنی گوشت پسندی پر حرف گیری پسند نہ کروں گا... گوشت سستا تو خوشحالی۔ گوشت مہنگا تو قومی بچت خطرے میں... بلکہ قصاب سے اُدھار چل جانے کا خطرہ موجود — ایک بار ایک قصاب نے پوچھا تھا کہ مَیں خود ہی گوشت کی دُکان کیوں نہیں کر لیتا... مَیں نے کہا۔ میاں ازراہِ ہمدردی اور خدا ترسی دو ڈھائی روپے سیر بیچ کر رکھ دوں گا اور دُوسرے دن شہر کے سارے گوشت خور مجھے ڈھونڈتے پھریں گے۔ لہٰذا ایسا ہولناک مشورہ مت دو۔"

اس قسم کے خیالات کا اظہار ایشیا کی شہرت کا حامل کیا کوئی دُوسرا ادیب کر سکتا ہے۔ تاریخ ادب کے صفحات پر اگر نظم میں نظیر اکبر آبادی مرحوم کو عوامی شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے تو یقیناً مستقبل میں اُردو ادب کا مؤرخ ابنِ صفی کو عوامی نثر نگار کی جگہ پر رکھ کر اُن کا تذکرہ کرے گا۔

ایشیائی شہرت کے حامل شخص ابنِ صفی کے متعلق مضمون کا عنوان رکھنے کی وجہ تسمیہ بھی بیان کرتی چلوں تو قارئین کے ذہنوں کی بڑی اُلجھن دُور ہو جائے گی۔ گھر کی مرغی ہونے کی پھبتی خود ابنِ صفی نے اپنی ذات پر کسی تھی۔ کراچی ریڈیو سے ایک پروگرام نشر ہوا کرتا تھا "جہاں کوئی نہ ہو"۔ موصوف کو بھی اسی پروگرام میں مدعو کیا گیا اسی پروگرام میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں اپنے اہلِ خاندان کے لیے گھر کی مرغی کے برابر ہوں۔ اسی ایک جملے میں اگر ایک طرف ان کی شخصیت کی سادگی نام و نمود اور شہرت سے بے اعتنائی کی عظیم مثال موجود ہے وہاں اہلِ خانہ کے ساتھ ایک عام فرد بن کر رہنے کی دلیل بھی ملتی ہے۔ اس میں تکبّر نہیں کہ برِصغیر ہند و پاک اور اس سے بڑھ کر ایشیا کا محبوب

جاسوسی ادب نگار ہونے کے باوجود وہ اپنے افراد خانہ اور اہل خاندان کے ساتھ اسرار احمد تھے۔ بیوی کے لیے شوہر، بچوں کے لیے مشفق باپ، بھانجے بھانجیوں، بھتیجے بھتیجیوں کے لیے محبت کرنے والے، ماموں اور چچا۔ بزرگوں کے لیے باادب چھوٹے۔

سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اہل خانہ اور خاندان کے افراد کو تو بہت دور اپنے لاکھوں، کروڑوں قارئین کو بھی اپنی شہرت اور عظمت سے مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی ننھے بچوں سے انہیں بے پناہ محبت تھی، عزیز اور ان کے بچے ان کے گھر آتے تو آپس میں باتیں کرنے کی بجائے بچوں سے شوخیاں اور شرارتیں کرتے رہتے۔ وہ بزرگ ہونے کے ناتے بھی بچوں کے ساتھ بچہ بن کر رہتے، ان کے ساتھ دوستوں کا سلوک کرتے یہی وجہ ہے کہ انہیں کسی نے بڑا نہیں سمجھا اور وہ خود کو گھر کی مرغی سمجھنے لگے۔ مگر ان کا انکسار ان کی عظمت کا پہاڑ کوزے میں سمندر کی طرح سمایا ہوا ہے یہ تو خیر گھر کا حال تھا۔ اونچے مرتبے کے ادیب اور وسیع شہرت کے مصنف ہونے کے باوجود نخوت تو خیر کیا معنی کرختگی یا سرد مہری کا بھی کوئی سایہ تک ان میں موجود نہ تھا۔

ادعا یا تعلّی سے سخت کراہت، ادبی اجتماعات یا دوسری مجلسوں میں امتیازی نشستوں سے دور بھاگتے، گو خود بھی شاعر تھے، دوسروں کے اچھے شعر سنتے اور خوب داد دیتے۔ ۲۵ اور ۲۶ جولائی کی درمیانی شب کو مالک حقیقی کے پاس جانے سے قبل رات کوئی ۱۱/۱۲ بجے انہوں نے "نئے افق" کا اداریہ لکھ کر دیا۔ اس سے قبل مصطفےٰ زیدی، عباس حسینی، شکیل جمالی وغیرہ کے متعلق بے تکلفانہ باتیں کرتے رہے۔ مصطفےٰ زیدی کے اکثر اشعار کا بھی تذکرہ آیا اور خوب تعریفیں بھی کیں ایسی حالت کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص چند گھنٹے اور ہمارے درمیان ہے مگر جس طرح ابن صفی کے ناولوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ قاری پڑھتے ہوئے ہر سطر اور ہر لائن پر یہ محسوس کرتا ہے کہ مجرم گرفتار ہو گیا۔ بہت سے کردار اس کے سامنے آتے ہیں اور وہ ان میں سے کئی یا کسی ایک کو مجرم تصور کر لیتا ہے۔ مگر ناول کے اختتام پر عمران، فریدی جسے مجرم کی حیثیت سے گرفتار کرتے ہیں ہر قاری بحر حیرت میں غوطہ زن ہو جاتا ہے کہ اس کے متعلق تو سوچا بھی نہ تھا بعینہٖ یہی حادثہ ابن صفی کی زندگی کے ساتھ ہوا۔ ابن صفی کافی عرصہ بیمار رہے اس دوران دشمنوں نے ان کے انتقال کی خبر بھی اڑا دی مگر وہ پھر موت اور مصائب کو دھوکا دے کر بدخواہوں کی چھاتی پر مونگ دلنے کے لیے ادب کے میدان میں آموجود ہوئے اسی بیماری میں اکثر ایسے مرحلے بھی آئے جب وہ خود اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ عزیزوں اور قرابت داروں نے دوا سے زیادہ دعا کی طرف رجوع کیا اور وہ بچ گئے۔

مگر اس بار جبکہ ایسے کسی قسم کے آثار نہ تھے وہ اسی طرح خاموشی کے ساتھ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے جس طرح فریدی یا عمران اپنے مجرم کو پکڑ کر قانون کے حوالے کر دیتے ہیں اور قاری مبہوت رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہوا آج ابن صفی کے کروڑوں قارئین کی بھی یہی کیفیت ہے وہ ابن صفی کو مردہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اپنے محبوب مصنف کو اس کے عظیم کرداروں کی طرح عظیم ہی سمجھتے ہیں۔ ابن صفی جنہوں نے اپنی زندگی میں نام و نمود اور شہرت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جنہوں نے پبلسٹی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جن کے متعلق زندگی میں ناقدین نے اظہار خیال نہیں کیا۔ ان کی عظمت اور شہرت اردو ادب کی تاریخ کا نمایاں حصہ بنے گی۔ بالکل اس طرح جیسے غالب کو برصغیر کے عوام اور دانشوروں نے ایک صدی گزرنے کے بعد پہچانا۔

ابن صفی نے جاسوسی ادب کے نام پر جو کچھ دیا ہے یقیناً وہ طلسم ہوشربا، الف لیلیٰ یا قصہ چہار درویش کی طرح اردو ادب کا کلاسیکی حصہ قرار دیا جائے گا اور اگر ہم ۲۶ سالہ دور کے تمام ناولوں کے اداریے صفحات ہی جمع کر لیں تو اردو ادب اس کی نظیر مشکل سے ہی پیش کرے گا جبکہ اردو شاعری میں شعرا کرام کی صف بندی کرتے وقت بھی ان کا نام اعلا مقام پر ہو گا۔ ان کے شعر میں اعتدال متانت، حسن ذوق اور حقیقت حال کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اگر کہیں کبھی گل و بلبل کا تذکرہ کیا بھی ہے تو صرف استعارے کے طور پر یا پھر تشبیہاً۔

؎ اتر تو آئی ہے جاڑوں کی دھوپ آنگن میں
مگر پڑوسی کا دو منزلہ بھی گھات میں ہے

اب یہاں جاڑوں کی دھوپ جو مختصر ہوتی ہے اور بہت جلد سمٹ کر ختم ہو جاتی ہے اس کے لیے پڑوسی کے دو منزلے کا گھات میں ہونا ایک بڑی خوبصورت اصطلاح ہے اور اس کا لطف وہی اٹھا سکتا ہے جس میں ماحول اور حقائق کو سمجھنے کا ذوق ہو۔ ایک اور خوبصورت شعر اور اسی شعر کو سائندہ

کے اس شعر ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ داغ

یا فانی بدایونی کا یہ شعر ؎

اس کشمکش ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوتی
تدبیر کا حاصل کیا کہیے، تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی

برخلاف اس کے ابن صفی کے تیور کچھ اور ہیں وہ زندگی کی حقیقتوں کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اُن سے برسرپیکار بھی رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کا لطف بھی اس طرح اٹھاتے ہیں۔ ؎

جو دل کشی، جو لطافت غم حیات میں ہے
وہ کیف صبح درخشاں میں ہے نہ رات میں ہے

ابن صفی بڑے خوددار، بلند ہمت اور قناعت پسند تھے۔ انہوں نے شدید سے شدید تر خراب حالات گزارے مگر دستِ سوال کبھی نہ بڑھایا۔ یہاں تک کہ خود اپنی رقم جو بطور قرض لوگوں پر ہوتی تھی اس کی واپسی کا تذکرہ اچھا نہیں سمجھتے تھے اس طرح ان کی کمائی کی ایک خطیر رقم انہیں ملنے سے رہ گئی۔

طبیعت، فطرت اور عادت کا اظہار ایک شعر میں بڑی خوبصورتی سے اس طرح کیا ہے۔ ؎

گر رہا ہے تو کسی اور طرح خود کو سنبھال
ہاتھ یوں بھی تو نہ پھیلے کہ بنے دستِ سوال

القصہ مختصر ابن صفی کی شخصی خوبیوں کا احاطہ ایک مضمون میں کر لینا محال ہے ان کی کس کس ادا کا ذکر کروں۔ کس کس خوبی کو یاد کروں اور کس طرح انہیں خراجِ عقیدت پیش کروں۔ وہ مجموعۂ صفات تھے۔ انہوں نے اب تک جتنی کتابیں لکھی ہیں اتنی ہی ضخامت کا کوئی نمبر شائع کیا جائے تو بھی شکایت "تنگیٔ داماں" والی بات باقی رہ جائے گی بس مختصراً شاعر کی زبان میں اتنا ہی کہوں گی کہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا